سید والا گہر کی میراث عظیم مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

مظفر حسین سید

اکیڈمک ریسرچ بیورو، نئی دہلی، موبائل:9818827853

انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں

یہ شعر اگر من وعن منطبق ہے، صادق ہے، تو سید والا گہر اور ان کے رفقا پر۔

حکیم الحکما، پیر دانا، مرد درویش، سید والا گہر، سید ذی شان، سید احمد خاں، المعروف بہ سرسیّد کی شخصیت ملّت مسلمہ ہند، بلکہ عالم اسلام کا ایسا سرمایہ ہے، جس کی مثال دگر، صدیوں کی تاریخ میں نظر نہیں آتی۔ سیدِ عالی مرتبت کی تحریک تعلیمی، جسے عرف عام میں علی گڑھ تحریک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، ایسی نادر الوجود تحریک ہے، جس کی مثال پورے عالم اسلام میں تلاش نہیں کی جاسکتی، اس تحریک نے وہ محال الحصول مقاصد حاصل کئے، جن کا تصور بھی اس سے قبل تقریباً ناممکن تھا۔ گزشتہ تقریباً ایک سو پچاس برسوں میں اس تحریک نے نہ صرف برصغیر کو اپنے ثمرات بخشے ہیں، بلکہ اس کے وسیع اثرات، بیشتر اسلامی ممالک میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔ دانشگاہ سید یعنی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ تو سید عالی وقار کا صرف ایک کارنامہ ہے، علاوہ ازیں ان کے کارنامے معتد بہ تعداد میں ہیں، جن کی طرف اب عوام الناس کی نظر نہیں جاتی، اس میں شاید کسی بدنیتی کو دخل نہ ہو، کہ مذکورہ دانشگاہ بذات خود اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے دوسرے تمام کارناموں کو اپنی پُشت پر لے لیا ہے۔ دراصل آج اس عاجز قلم کا موضوع سید والا نظر کا ایک ایسا کارنامہ ہے جو اپنی اوّلیت و ہمہ گیریت کے اعتبار سے دانشگاہ سید سے بھی زیادہ اہم، ان معنیٰ میں ہے کہ یہ ادارۂ دانش وحکمت خود دانشگاہ سید کی کی مادر تنظیم کا مرتبہ رکھتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا دعویٰ ہے، لیکن یہ کوتاہ قلم اس کو ثابت کرنے کی سعیٔ ممکن انجام دے گا۔

اس کم علم وکم فہم کی مراد 'مسلم ایجوکیشنل کانفرنس' سے ہے، جی ہاں، اس سیاہ قلم کو یہ عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ اگر 'مسلم ایجوکیشنل کانفرنس' نہ ہوتی تو شاید ہماری مادر درسگاہ، دانشگاہ سید بھی وجود پذیر نہ ہوتی۔ راقم السطور اس امر کو اپنی خوش بختی پر محمول کرتا ہے کہ اس اعلیٰ وارفع مجلس علمی کے ناظم نے اسے یہ موضوع عنایت فرمایا اور اس پر تقصیر کو یہ زرّیں موقع نصیب ہوا کہ وہ سید عالی فکر کی میراث، ان کی یادگار کی حیثیت کے حامل اس ادارے کو از سر نو روشنی میں لائے، جسے امتداد زمانہ، فصل زمانی اور ملّت کی بے حسی ولاتعلّقی نے دبیز پردوں میں چھپا دیا اور اس حد تک کم معروف کر دیا کہ آج غالباً خواص کو یاد نہ ہو اور عوام کو علم ہی نہ ہو کہ ایک رفیع الشان ادارۂ تعلیمی کی پشت پر ایک ذی شان تنظیم تھی، جس کے ارکان وکارکنان کی محنت شاقہ اور جہد مسلسل کا ثمر، دانش گاہ سید ہے۔

درسگاہ سید (یعنی ایم۔ اے او کالج) قائم ہوگئی تھی اور اس کی عمر تقریباً گیارہ برس ہوچکی تھی، جب مذکورہ تنظیم وجود میں آئی، جس کی خدمات وآثار آج اس گفتگو کا موضوع ہیں، لیکن راقم اس جسارت لسانی کے لیے معذرت خواہ ہے کہ اگر ادارۂ مذکور، یعنی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام عمل میں نہ آیا ہوتا تو سید عالی فکر کا خواب محض مدرسۃ العلوم مسلمانان ہند کے قیام تک ہی محدود ہوکر رہ جاتا اور اس کی رفیع الشان توسیع کی شکل میں ہندوستانی مسلمانوں کی اوّلین دانشگاہ منصۂ شہود پر نہ آتی۔ ہر چند کہ سید عالی مقام کے فرزند ارجمند صغیر سید محمود نے درسگاہ، یعنی کالج کے قیام سے قبل ہی یہ تجویز درج کرادی تھی اور تحریک تعلیمی کے سالاران، بشمول، سید ذی شان سے اس کی توثیق بھی کرالی تھی کہ اس تحریک کا اصل مقصد ایک دانشگاہ یعنی جامعہ قائم کرنا ہے، جو انگلستان کی اعلیٰ دانشگاہوں، آکسفرڈ و کیمبرج کے طرز پر ہوگی۔ تاہم سید عالی خیال کے خواب کی تعبیر اور سید محمود کے منصوبے کی تکمیل کے لیے کوئی فکرگاہ دستیاب نہ تھی۔ یہ میدان عمل کانفرنس کے قیام کے ذریعہ ہی فراہم ہوا اور قوم کی دسترس میں آیا۔

مضمون ہٰذا میں اس تحریک کے قیام، اس کے مقاصد، اس کی خدمات، نیز اس کے اثرات کا تفصیلی جائزہ لینا مقصود ہے، لیکن اس سے قبل اس پس منظر کا جائزہ لینا ضروری ہے، جس کے پیش منظر میں سید عالی

کومسلمانوں کی تعلیم کے لیے ایک تحریک کا آغاز کرنے کا خیال آیا، نیز ان عوامل کا جائزہ لینا بھی لازم ہے جن کے تحت سید والاعمل کی تحریک تعلیمی کی نمود ونشو ونما ہوئی۔

۱۸۵۷ء کی اولین جنگ آزادی کی تمام تر جدوجہد اگرچہ غیر منظّم اور غیر منصوبہ بند تھی، تاہم اس کا مقصد عین، ایک انقلاب برپا کرنا تھا، جو ملک پر مسلّط اور اس کے انتظام وانصرام پر تقریباً سو برس سے قابض انگریز کمپنی کے اقتدار واختیار کا خاتمہ کردے، مگر بدقسمتی سے ہوا، اس کے برعکس، انقلاب تو آیا، مگر وہ ایک منفی انقلاب تھا، جس کے نتیجے میں سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہوگیا، علامتی مغل شہنشاہی کا خاتمہ بے خیر ہوگیا اور اقتدار کمپنی کے ہاتھ سے نکل کر براہ راست حکومت برطانیہ کے ہاتھوں میں چلا گیا اور اب ملک کے اکثر حصّوں پر نہیں بلکہ پورے ملک پر حکومت انگریزی کا قبضہ ہوگیا۔ ہر چند کہ وطن عزیز سے غدّاری کے طفیل، متعدد ریاستیں، علاقائی ومقامی جاگیرداریاں اور زمینداریاں قائم رہیں مگر عملاً پورے ملک پر انگریزی حکومت کا اقتدار قائم ہوگیا اور مغلوں کی رسمی بادشاہت کا بھی خاتمہ ہوگیا اور ایک ظلّی بادشاہ کی جگہ شہنشاہ برطانیہ کے نائب، یعنی وائس رائے نے لے لی، جو، اب عملاً ہندوستان کا حکمراں تھا، اور بڑی حد تک مطلق العنان تھا۔

جنگ آزادی کی عبرتناک ناکامی کے نتیجے میں اگرچہ تمام ہندوستانی غلام بن گئے تھے، لیکن چونکہ انگریزوں نے اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا۔ لہذا وہ ان کو اپنا حریف اوّل خیال کرتے تھے۔ اس لیے ان کے ظلم وستم کا نشانہ بھی من حیث القوم مسلمان ہی تھے۔ اگرچہ مسلمانوں کی صفوں میں نواب، رؤسا، تعلقہ دار، جاگیردار اور زمیندار بھی تھے، جو تمام کے تمام سرکار انگلشیہ کے وفادار تھے، ملکۂ انگلستان کے فرزندان خاص تھے اور ان کے علاوہ، اشراف کا وہ طبقہ تھا، جس نے حالات سے سمجھوتہ کرلیا تھا اور اس کے افراد نے انگریزی حکومت کی اعلیٰ ملازمتیں حاصل کرلی تھیں اور کم از کم ان کی ذاتی زندگی چین وسکون سے گزر رہی تھی، لیکن اس کے برعکس عام مسلمانوں کی حالت دگرگوں تھی، ان کی زبوں حالی اپنے زوال کی سب سے نچلی سطح کو پہنچ چکی تھی۔ سید والا جہت کا شمار اگرچہ طبقۂ اشراف میں تھا اور وہ انگریزی حکومت کے اہم منصب داروں میں شامل تھے، لیکن وہ ان چند حساس، ممتاز مسلم اکابرین میں بھی نمایاں تھے، جنہیں قوم کی بربادی کا احساس شدید تھا اور یہ اندیشہ لاحق تھا کہ اگر موجودہ صورتحال کا جائزہ لے کر مسائل ومصائب کا سدّ باب نہ کیا گیا تو یہ قوم بربادی وتباہی کے ایسے قعر مذلّت میں جا گرے گی کہ اس کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے گا۔

سید والا مقام کا فکری سفر طویل بھی ہے اور قدرے پیچیدہ بھی۔ ۱۸۵۷ء سے قبل کے سید مکرم اور ہیں اور ۱۸۵۷ء کے بعد کے سید محترم اور۔ اگرچہ انہوں نے اپنے عہد شباب میں ہی حالات کی نبض کو محسوس کرکے، مغل دربار سے اپنی خاندانی وابستگی کو خیر باد کہہ کر کمپنی بہادر کی ملازمت اختیار کرلی تھی، تاہم مزاجاً وفکراً، وہ روایت پرست، قدامت پسند اور پدرم سلطان بود کے احساس کے نشے سے سرشار تھے۔ ان کی قدامت پسندی اور روایت پرستی کا ثبوت یہ کہ انہوں نے ابتداً جو رسالے یعنی کتابچے تصنیف کئے وہ سب قدیم نظریات وروایتی فکر پر مبنی تھے اور اس کے بعد جو کتابیں تصنیف وتالیف کیں وہ تمام تر ماضی پرستی اور مسلمانوں کی تاریخ اور ان کی سابقہ شوکت وحشمت کی آئینہ دار تھیں۔ یہاں تفصیلی ذکر اور مثالوں سے گریز کہ سردست یہ اس مضمون کا موضوع نہیں، ورنہ اس ضمن میں خاصی طویل اور مدلّل گفتگو کی جاسکتی ہے۔

جیسا کہ عرض کیا، ۱۸۵۷ء کے دور ابتلا کے خاتمے اور موج خوں کے سر سے گزر جانے کے بعد ایک نئے سید احمد خاں منظر عام پر آئے، جن کی فکر ایک طرز جدید اختیار کرچکی تھی اور جن کی چشم دور بیں نے مستقبل کے غلاف میں پوشیدہ حالات کا ادراک کرلیا تھا، اب ان کا موضوع گفتگو مسلمانوں کی تاریخ نہیں، بلکہ علوم جدیدہ یعنی فلسفۂ مغرب اور سائنس تھے۔ ان کا نقطۂ نظر بھی بڑی حد تک سائنسی رنگ میں رنگ چکا تھا، اب انہیں قوم کی فکر لاحق تھی۔

بہت غور وفکر کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ قوم کی بربادی وزبوں حالی کا علاج ایک اور صرف ایک ہے، کہ انہیں تعلیم بلکہ جدید تعلیم کی طرف راغب کیا جائے، انگریزی تعلیم سے متنفّر قوم مسلم کو جدید انگریزی تعلیم، یعنی مغربی ادب، فلسفہ اور سائنس کے علم سے بہرہ ور ہونے پر آمادہ کیا جائے۔ ان کی اسی فکر کا عملی نتیجہ تھا کہ انھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی عبرت ناک ناکامی کے بعد فوراً جدید مدرسوں کے قیام کا سلسلہ شروع کردیا۔ اس کی تفصیل سے بھی گریز کہ یہ باتیں عام ہیں اور سردست اس نگارش کے موضوع سے خارج۔

سید عالی فکر نے جس وقت اپنی تحریک تعلیمی کی داغ بیل ڈالی، اس وقت مسلمانوں کی تعلیمی حالت قابل رحم تھی۔ سید والا مرتبت نے ۱۸۷۵ء میں یعنی ۱۸۵۷ء کے صرف اٹھارہ برس بعد علی گڑھ میں مدرسۃ العلوم یعنی تعلیم جدید کا اسکول قائم کرلیا تھا، اور درسگاہ عالیہ، یعنی کالج کے قیام کا منصوبہ زیر عمل تھا، مگر اسی برس جب الفریڈ کرافٹ کا مرتب کردہ تعلیمی

جائزہ منظر عام پر آیا تو یہ چشم کشا حقیقت تلخ ظاہر ہوگئی کہ اگر چہ اس وقت ملک میں انگریزی تعلیم خاصی رائج ہو چکی تھی، بالخصوص بنگال، مدراس اور بمبئی کے علاقوں میں غیر مسلم بڑی تعداد میں اعلیٰ مغربی تعلیم حاصل کر رہے تھے، مگر پورے ملک میں اعلیٰ تعلیم کی سند حاصل کرنے والے مسلمان کل بیس تھے، جن میں صرف تین پوسٹ گریجویٹ، یعنی ایم۔ اے اور ۱۷ گریجویٹ، یعنی بی۔ اے تھے، جبکہ غیر مسلم صدہا رہے ہوں گے۔ یہ تھی مسلمانوں کی اجتماعی تعلیمی صورتحال، جس نے سید معظم کو بے چین، بے سکون اور بے آرام کر دیا تھا۔

سید عالی نظر کا کمال یہ تھا کہ انھوں نے ۱۸۵۷ء کی تباہی و بربادی کے بعد صرف دو عشروں کے اندر، ۱۸۷۷ء میں علی گڑھ میں درسگاہ عالیہ (ایم۔اے۔او کالج) کو قائم کر دیا۔ درسگاہ عالیہ قائم ہوگئی، اس کی عمر گیارہ برس ہوگئی، تب انہیں یہ خیال آیا کہ صرف چند اسکولوں اور ایک کالج کے قیام سے مسلمانوں کے وسیع تر مسائل کا مداوا ممکن نہ ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے ایک ہمہ گیر اور فعال تر تحریک تعلیمی شروع کرنے کا عزم کیا اور ان کا یہی خیال ارفع ہندوستانی مسلمانوں کی اوّلین تنظیم تعلیمی کی پیدائش کا سبب بنا۔ بالآخر ۱۸۸۶ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانگریس کا قیام عمل میں آیا، یہ صرف ایک تنظیم کا قیام نہیں تھا بلکہ ایک باقاعدہ تحریک تعلیمی کا نقطۂ آغاز تھا اور سید عالی صفت کے لیے بس یہی کہا جا سکتا ہے:

کون ایسا ہے، جسے دست ہو دل سازی میں
شیشہ ٹوٹے تو کرے لاکھ ہنر سے پیوند

سید عالی فکر نے قوم کی فلاح و بہبود اور نجات دنیاوی کے لیے جو نسخۂ کیمیا تجویز کیا تھا، اس کی تجربہ گاہ کی حیثیت سے کانفرنس باوجود ہوئی۔ درد مندان قوم کا ایک اجتماع، ۲۷ دسمبر ۱۸۸۶ء کو بمقام علی گڑھ منعقد ہوا۔ اس اجلاس نے محض ایک تجویز کے ذریعہ تاریخی حیثیت حاصل کر لی اور وہ تجویز یہ تھی کہ 'مسلمانوں کی تعلیمی فلاح، نیز ان کے معاشرے میں تعلیم کو عام طور پر مروّج کرنے کی نیت سے ایک ایسی کل ہند تنظیم کا قیام عمل میں لایا جائے، جو ملک کے گوشے گوشے میں تعلیم کو رائج و مروّج کرنے کی غرض سے ایک ملک گیر مہم شروع کرے، ملّت مسلمہ میں عام طور پر تعلیمی بیداری پیدا کرنے کے لیے جہد مسلسل کرے اور خواص و عوام کو یہ احساس دلائے کہ ان کی دنیاوی نجات کا راستہ صرف اور صرف تعلیم ہے۔

درحقیقت، ملت مسلمہ ہند کی تاریخ تعلیم و تربیت میں اس دن کا احوال زرّیں حروف میں رقم کیا جائے گا، کیونکہ اس دن چند فرزانوں اور دانش وروں نے قوم کی فلاح و بہبود کے ایک خواب کی تعبیر کا نظم کیا تھا اور ایک ایسی تحریک کی بنیاد ڈالی تھی جس کے اثرات آئندہ ڈیڑھ صدی پر محیط ہوئے ان دردمندان ملت نے ایک ایسے نہال کی نمود کا بندوبست کیا، جس نے آئندہ چند عشروں میں ہی قوم کو نہال کر دیا۔ اور آئندہ نصف صدی کے اندر اس نہال نے ایک شجر تناور کی شکل اختیار کر لی، جس کا نام مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہے اور جس کے سائے میں پرورش پا کر ہم میں سے اکثر افراد نے اپنی منزل مقصود حاصل کی ہے۔

اس دن جب علی گڑھ میں مذکورہ بالا دردمندوں کا سہ روزہ اجتماع ہوا تو 'محمڈن ایجوکیشنل کانگریس' کی بنیاد رکھی گئی۔ یہی تنظیم اپنے نام کے سلسلے میں کئی تبدیلیوں سے گزر کر آج 'آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس' کے نام سے موسوم ہے۔ وہ اجتماع مولوی محمد سمیع اللہ خاں کے زیر صدارت منعقد ہوا تھا اور خود سید عالی ہمت نے اس کا اہتمام کیا تھا اس میں شرکا کی تعداد اس طرح تھی۔ مندوبین: صوبہ آگرہ و اودھ سے ۴۵: پنجاب سے ۲: جبل پور (صوبہ متوسط) سے ۱۴: اور کل تعداد مندوبین اکسٹھ تھی اور ان کے علاوہ مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے تقریباً ایک سو پچاس طلبا بھی جلسے میں حاضر تھے۔

اساسی تجویز

اس اجتماع میں کانگریس کے قیام کے سلسلے میں خود سید والا صفت نے باقاعدہ تجویز پیش کی، جس کی تائید محمد رفیق نے کی۔ اس تجویز کا متن درج ذیل ہے:

''مسلمانوں میں ہر قسم کے تعلیمی تنزل کا لحاظ کر کے اس خیال سے کہ ان کی ہر قسم کی تعلیم کی ترقی میں قومی اتفاق اور قومی امداد سے کوشش کی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر سال ان امور پر غور کرنے کے لیے مختلف اضلاع کے لوگوں کا ایک جلسہ ہوا کرے جو 'محمڈن ایجوکیشنل کانگریس' کے نام سے موسوم ہو۔ یہ جلسہ کسی خاص مقام پر مخصوص نہ ہو، بلکہ ہر سال کسی ایسی جگہ پر، جہاں کے لوگ اس جلسہ کے معتقد ہونے کی خواہش کریں اور اس کا انتظام فرما دیں، منعقد ہوا کرے گا۔''

سید والا گہر کی تقریر

اس تاریخی اجتماع میں سید والا گہر نے جو تقریر اس تجویز کی حمایت میں کی، اس کی تلخیص درج ذیل ہے:

''حضرات! مجھے اس بات کی عزت دی گئی ہے کہ میں اس کانگریس میں جو قومی تعلیم پر غور کرنے کے لیے جمع ہوئی ہے پہلا ریزولیوشن پیش کروں۔ صاحبو! مسلمانوں کی حالت کا

تنزل اب اس درجہ کو پہنچ گیا ہے کہ تمام ہندوستان میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ نکلے گا جو اس کو تسلیم اور اس پر افسوس نہ کرتا ہو۔ ہماری حالت زار، اب اس درجہ پر پہنچ گئی ہے کہ غیر قومیں بھی ہم پر آنسو بہاتی ہیں اور ہمارے بچوں کی تعلیم کے لیے خیرات سے روپیہ جمع کرنے پر کوشش کرتی ہیں۔ بلاشبہ ہم کو اپنے ہم وطن ہندو بھائیوں کا، جنہوں نے صوبہ دکن میں ایسا ارادہ کیا، شکر گزار ہونا لازم ہے، مگر ہماری قوم میں جن کے اسلاف کے ناموں کی شہرت دنیا کے ہر ایک حصہ میں گونج رہی ہے اور جن کے سیف وقلم کی نام آوری کے نشانات: ہسٹری میں اور دنیا کے ایک بہت بڑے حصے میں اب تک پائے جاتے ہیں، اتنی غیرت اور ہمت بھی باقی نہ رہی کہ اپنی قوم کی تباہ حالت کی درستی پر توجہ کریں۔ پس امر غور طلب یہی ہے کہ تعلیم کی ترقی کیوں کر ہو؟ اس وقت ہمارا حال یہ ہے کہ گو ہم خود کو ایک قوم، مسلمان کہتے ہیں، مگر ایک جگہ کے رہنے والے، دوسری جگہ کے رہنے والوں سے ایسے ہی ناواقف ہیں، جیسے کہ کوئی اجنبی قوم ایک دوسرے کے حال سے ناواقف ہو۔ اس طرح پر باہم جمع ہونے سے اور ایک مقصد، یعنی قومی بھلائی اور قومی تعلیم، قومی ترقی کے لیے جمع ہونے سے قومی ہمدردی، ہم میں پیدا ہو یا جس قدر ہے، اس میں زیادہ ترقی ہوگی۔ آپس میں ملنے سے اور مختلف امور پر جو قومی تعلیم اور قومی ترقی سے علاقہ رکھتے ہیں، بحث و مباحثہ یا تذکرہ، مذکراہ کرنے سے ضرور ہے کہ کوئی عمدہ راہ قومی ترقی اور قومی تعلیم کی ہاتھ آوے۔ ہم سب کو اگر ایک سیدھا راستہ قومی تعلیم کی ترقی کا ہاتھ آجائے تو قومی تعلیم کی ترقی پر زیادہ تر آسانی حاصل ہوگی۔ اس قسم کے مجمع سے آپس میں کلمہ و کلام کرنے سے ضرور ہے کہ ہم کو ایک ایسا مستحکم طریقہ اپنی تعلیم اور ترقی کا ہاتھ آوے گا جو بلا کسی شک وشبہ کے ہماری قوم کے لیے مفید ہوگا۔ یہ سالانہ جلسہ جیسا کہ آپ نے ریزولیوشن پیش شدہ سے معلوم کیا ہوگا، کسی ایک مقام کے لیے مخصوص نہیں کیا گیا، بلکہ ہر ایک صوبہ اور شہر میں جہاں کے لوگ اس کی خواہش کریں گے منعقد ہو سکے گا اور اس سے یہ فائدہ ہے کہ جو لوگ کسی سبب سے ایک مقام کے جلسہ میں شامل نہیں ہو سکتے، وہ دوسرے مقام کے جلسہ میں شامل ہو سکیں گے اور اس تدبیر سے اس جلسہ کے فوائد زیادہ تر عام ہو سکیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو ریزولیوشن ہوا ہے اس کے مقاصد کو مختصراً مگر کافی طور سے میں نے بیان کیا ہے اور میں تحریک کرتا ہوں کہ یہ جلسہ اس پر غور کرے گا اور درصورت یہ کہ پسند ہو تو منظور کیا جاوے۔''

اور اس طرح دردمندان قوم کے اس تاریخی اجلاس میں ایک جلیل المقاصد تنظیم قائم ہوگئی، جس کے اثرات آئندہ ایک صدی سے زائد عرصے کو محیط ہوئے۔

آئندہ برسوں، عشروں میں 'مسلم ایجوکیشنل کانفرنس' نے بے مثل ترقی کی اور اس کا دائرۂ عمل پورے ملک کو محیط ہو گیا، اس کے سالانہ اجلاس، ملک کے مختلف شہروں میں ہوتے تھے، اور ان کی منظور شدہ تجاویز بڑی مؤثر ہوتی تھیں، حکومت ہند بھی اکثر تجاویز کو قبول کر کے اپنے تعلیمی منصوبوں کا حصّہ بناتی تھی۔ کانفرنس کے جلسوں کی صدارت، پر اس عہد کے موقر قائدین اور زعمائے ملّت نے فرمائی، جن میں بدرالدین طیب جی اوّل، مولانا الطاف حسین حالی اور سر آغا خاں جیسے مشاہیر شامل تھے۔ اس کے علاوہ کانفرنس کی علمی مجالس میں جن ممتاز اہل علم وقلم نے اپنے گراں قدر مقالے پیش فرمائے، ان میں سید عالی قلم کے علاوہ، علامہ شبلی نعمانی، عبداللہ یوسف علی، رشید احمد صدیقی وغیرہم، شامل تھے، نیز جن موضوعات پر مقالے پیش کئے گئے، وہ بڑے دقیق، اہم اور مؤثر تھے مزید برآں، کانفرنس کے اشاعتی شعبے نے بڑی اہم اور وسیع الموضوعات کتابیں شائع کیں، کانفرنس نے جہاں اُردو کو ایک شاندار تحفہ اور بخشا ہے، جس سے اہل علم تو واقف ہیں، مگر عام لوگوں کے لیے شاید یہ انکشاف ہی ہو کہ اس رفیع الشان تنظیم کے بطن سے ایک اور ادارہ تولّد ہوا تھا، جس کا نام 'انجمن ترقی اردو ہند' ہے اور آج وہ خود اپنی مادر تنظیم سے بھی زیادہ معروف اور فعال ہے۔ ان تمام امور کی تفصیل، مقالہ ہٰذا کے اگلے صفحات میں موجود ہے مگر افسوس کہ یہ سب اب قصّۂ پارینہ ہے۔

اپنے سوا سو برس کے سفر میں اس تنظیم کے کئی نام بدلے گئے، مگر یہ قائم رہی، اگرچہ اس کا دائرۂ کار سمٹتا چلا گیا اور اس کی عملی حیثیت صفر ہو کر رہ گئی، مگر ایک مردہ تو نہیں، مگر بیمار ادارے کی شکل میں یہ آج بھی قائم ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس کے صدر دفتر کو دیکھ کر محکمۂ آثار قدیمہ کے کسی خاموش گوشے کا گمان ہوتا ہے۔ ناظم دفتر عمر رسیدہ، بلکہ از کار رفتہ، اور چند، عاملین، وہ بھی اپنے فرائض سے لاعلم۔ امتداد زمانہ کا شکار ہونے کے باوصف، باقی ماندہ کتابیں، گرد وغبار کے غلاف میں مغلوف۔ اس کی عمارت آج تنظیم کا دفتر نہیں، بلکہ اس کا مقبرہ معلوم ہوتی ہے، جس میں ملّت کی بے حسی، تنظیم کے ذمہ داروں کی عدم تعلقی، بلکہ بیزاری کے طفیل،

شاندار اور جاندار ماضی کی حامل ایک تاریخی تنظیم، اپنوں ہی کے ہاتھوں زندہ دفن ہوکر رہ گئی ہے۔ایک وقت تھا، جب انجمن کے اجلاس، ہندوستان کے کونے کونے میں،مختلف شہروں میں ہوتے تھے،آج اس کا کوئی شاندار، شایان شان جلسہ علی گڑھ میں بھی نہیں ہوتا۔ایک تکلیف دہ خموشی کا دور دورہ ہے۔

عبرت آتی ہے کہ کیا بت خانہ ویراں ہوگیا

آج سید والا کی قائم کردہ یہ تنظیم تعلیمی اگرچہ عام لوگوں کے لیے کم معروف اور اس سے کہیں زیادہ بڑی تعداد کے لیے غیر معروف ہے،تاہم یہ تنظیم اپنے سوا صدی سے زائد کو محیط عرصۂ سفر کے بعد اور کئی ناموں کی تبدیلی کے عمل سے گزر کر، آج بھی زندہ اور قائم ہے اگرچہ فعال نہیں، تاہم ایک شاندار وراثت کی علمبردار ضرور ہے۔اس کا صدر دفتر علی گڑھ میں آج بھی موجود ہے، عہدیدار بھی ہیں، سالانہ انتخاب بھی ہوتا ہے، رسماً ہی سہی سال میں چند مشاروتی مجالس اور ایک سالانہ اجلاس بھی شاذ شاذ منعقد ہوتا ہے اور اس کا ترجمان 'کانفرنس گزٹ' بھی تقریباً پابندی سے شائع ہوتا ہے،مگر عملاً یہ تنظیم صرف چند افراد کے مسلم یونیورسٹی کے انتظام وانصرام میں دخیل ہونے کا وسیلہ بن کر رہ گئی ہے۔واضح ہو کہ مسلم یونیورسٹی قانون کے مطابق اس کانفرنس کے پانچ نمائندے، یونیورسٹی کورٹ کے رکن ہوتے ہیں۔بس اس تاریخی ادارے کی عملی زندگی اب اسی دائرے میں قید ہے۔ظاہر ہے کہ یہ صورتحال تشویش ناک ہے اور اس کے ازالے یا اصلاح کی کوئی سبیل بھی نظر نہیں آتی۔بہرکیف، یہ تاریخی تنظیم ،ہو باعث راحت ترا دم اور زیادہ ۔اپنے بانی، سید رفیع الشان کی یادگار ہے، ان کی میراث ہے،سو، علامتی ہی سہی اس کا دم غنیمت ہے:

ہو باعث راحت، ترا دم اور زیادہ

تحقیقی کارنامے

قابل ذکر ہے کہ ایک صدی سے زائد عرصے میں، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے قیام اور خدمات کے سلسلے میں ابھی تک صرف دو عدد تحقیقی مقالے رقم کئے گئے ہیں۔اوّلین طویل مقالہ پروفیسر اختر الواسع کا ہے، جو انھوں نے اپنی طالب علمی کے دور آخر میں رقم کیا تھا۔دوسرا مقالہ یا مضمون طویل پاکستان میں تحریر کیا گیا ہے، جو باوجود کوشش کے راقم کی دسترس میں نہ آسکا۔علاوہ ازیں ایک تدوین اور ہے،' آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سو سال'۔ مرتبہ: امان اللہ خاں شروانی۔ بس دانشوران ملّت نے سوا سو برس کے عرصے میں اس اہم ترین یادگار سید پر اسی قدر توجہ فرمائی ہے۔راقم کی یہ سعیٔ حقیر اس سلسلے کی تیسری کڑی ہے۔ اس کم سواد کا ارادہ ہے کہ اس طویل مقالے کو مزید وسعت دے کر کتاب کی شکل دی جائے۔خدا توفیق بخشے مگر مشکل یہ ہے کہ، ع۔عمرے باید کہ یار آید بہ کنار۔

بعد از خرابیٔ بسیار ایک امر خوش آئند ہے اور سرنگ کے آخری سرے پر سہی، امید کی ایک کرن، ایک نشان روشن نظر آتا ہے کہ شاید کسی حد تک اس جاں بلب تنظیم کی بازیافیت ہو اور وہ اس لیے کہ ابھی کچھ عرصہ قبل اس کی نئی انتظامیہ کی تشکیل ہوئی ہے، جو شاید، سید عالی مقام کی اس یادگار کے تن مردہ میں ذرا سانس پھونکنے میں کامیاب ہوجائے مگر جب تک کوئی دیوانہ نہیں اٹھے گا، تب تک بات نہیں بنے گی۔اس نفس گرفتہ تنظیم کو ایک مسیحا کی ضرورت ہے۔دیکھیے وہ کب آسمان سے اترتا ہے۔ بطور اتمام گفتگو یہ شعر اور پھر آیت:

رات اور زلف کا یہ فسانہ ہے
قصّہ کوتاہ بڑی کہانی ہے

○○

توجہ طلب

- قلمکار حضرات اپنی تخلیقات کے ساتھ اپنا پاس بُک میں درج نام انگریزی میں اسپیلنگ کے ساتھ ضرور لکھیں۔اپنا مکمل پتا، پن کوڈ اور رابطے کے لیے فون نمبر بھی ضرور درج کریں۔
- قلمکاروں سے ایک گزارش اور ہے کہ بذریعہ ای۔میل اپنی تخلیقات بھیجنے سے قبل اپنی تخلیقات کو ایک بار ضرور پڑھ لیں تاکہ اس میں پروف کی غلطیاں کم سے کم رہیں۔ —ادارہ